© rasailojaraid.com

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

لاہور کا عظیم شاعر، مسعود سعد سلمان

ایران اور پاک و ہند کے جن عظیم شاعروں نے قصیدہ نگاری میں جاودانی شہرت حاصل کی ان میں مسعود سعد سلمان پیش پیش ہیں۔

مسعود سعد کے آبا و اجداد کا وطن ہمدان تھا۔ اس کا والد سعد اور دادا سلمان سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ترکِ وطن کر کے لاہور آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ مسعود کی ولادت[1] لاہور ہی میں تقریباً ۴۴۰ھ میں ہوئی۔ سعد کے خاندان کو علمی اعتبار سے بڑی ناموری حاصل تھی۔ اس لیے بہت جلد اسے دربارِ غزنی میں رسائی ہو گئی۔ سلطان مسعود بن محمود نے جب غزنی اور ہند کی حکومت سنبھالی تو اپنے بیٹے مجدود کو ۴۲۷ھ میں نائب السلطنت بنا کر ہند بھیجا اور سعد کو مستوفی ہند مقرر کیا۔ سعد مختلف حیثیتوں میں ساٹھ سال تک دربارِ غزنی سے وابستہ رہا، اور اپنی پُرخلوص خدمات کی بدولت عزت اور مرتبہ پایا۔ مضافاتِ لاہور میں جاگیر بھی ملی تھی۔ مسعود نے ضمناً ایک قصیدے میں اس کا ذکر کیا ہے ؎

شصت سالی تمام خدمت کرد | پدرِ بندہ سعد بن سلمان
کہ باطراف بودی از عمال | کہ بدرگاہ بودی از اعیان

مسعود نے عربی اور فارسی کی تعلیم والد سے پائی اور ہندی جو ملکی زبان تھی، وہ کسی ہندی عالم سے پڑھی۔

دربارِ غزنی سے وابستگی

سعد کی وفات کے بعد مسعود سعد دربارِ غزنی سے وابستہ ہوا۔ اس وقت غزنی کا حکمران سلطان ابراہیم مسعود (۴۵۱ تا ۴۹۲ھ) تھا۔ مسعود نے بادشاہ اور شہزادہ سیف الدولہ کے متعدد قصیدے

---

[1] خزانہ عامرہ: ص ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہے۔ سلطان ابراہیم نے جب سیف الدولہ کو ۴۶۹ھ میں ہند کی حکومت سپرد کی تو مسعود سعد کو یہاں دیوانِ رسالت کا منصب سونپا گیا۔ علمی خدمات کے علاوہ، جیسا کہ مسعود کے بعض قصیدوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ سپہ دار کی حیثیت سے جنگوں میں بھی شریک رہا۔ سیف الدولہ کی فتح آگرہ پر اس نے پُر زور قصیدے کہے ہیں۔ مسعود کی امتیازی خدمات کے صلے میں اسے لاہور میں جاگیر عطا ہوئی جہاں اس نے مستقل قیام کے لیے قصر بھی تعمیر کرایا۔

اسیری

مسعود سعد نے ابتدائی چند سال لاہور میں بڑی فارغ البالی سے گزارے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں حالات نے پلٹا کھایا۔ سیف الدولہ اور مسعود سعد کے بدخواہوں نے اس کے خلاف لاہور سے غزنی تک سازش کا جال بچھایا اور اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہوئے۔

نظامی عروضی سمرقندی لکھتے ہیں: "غرض مندوں نے سلطان ابراہیم کو ۴۷۲ھ میں (صحیح ۴۷۲ھ ہے) غزنی میں یہ خبر پہنچائی کہ سیف الدولہ محمود ایران کے سلجوقی حکمران ملک شاہ کے پاس جانا چاہتا ہے تاکہ اس سے مدد حاصل کر کے غزنی فتح کرے۔ سلطان نے سیف الدولہ کو گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا، اور اس کے ندیمان خاص زندان میں ڈال دیئے گئے۔ جن میں مسعود سعد سلمان بھی تھا۔ مولف خزانہ عامرہ نے بھی کم و بیش یہی خیال ظاہر کیا ہے مسعود نے بدگمانی کا اثر دُور کرنے کے لیے سلطان کی خدمت میں ذیل کی رباعی لکھ بھیجی لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا [۵]

در بند تو اے شاہ، ملک شاہ باید — تا بند تو پائے تاجداری شاید
آنکس کہ ز پشت سعد سلمان آید — گر زہر شود ملک ترا نگزاید

سیف الدولہ کا ارادہ ملک شاہ سے کمک حاصل کرنے کا ہو یا نہ ہو۔ مسعود نے سیف الدولہ کی ہمنوائی کی یا نہیں، مسعود کو خراسان جانے کی آرزو ضرور تھی۔ چنانچہ پورا ایک قصیدہ اسی آرزومندی کا اظہار ہے۔ اس کا ایک شعر درج ذیل ہے:

نمی گذارد خسرو ز پیشِ خویش مرا — کہ در ہوائے خراساں بکے کنم پرواز

ممکن ہے سفرِ خراساں کی آرزو کو بھی مسعود کی بدبختی میں کچھ دخل ہو۔ بہرحال اس نے اپنی بے گناہی

---

۵ چہار مقالہ: [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حاسدوں کی بدخواہی کا مفصل ذکر ثقۃ الملک طاہر بن علی خاص کے ایک قصیدے میں کیا ہے :

ثنائی من شنو و از فسانہ من مشنو　　حدیث کاسد و مکار و دشمن محتال
خدائے بیچوں داند کہ ہر چہ دشمن گفت　　دروغ گفت دروغ و محال گفت محال
زکس ننالم جملہ من از ہنر نالم　　از آنکہ بر تنِ من جز ہنر نگشت وبال

مسعود پہلے قلعہ دہک میں اسیر رہا، پھر قلعہ سُو میں۔ ان دونوں قلعوں میں سات سال کا طویل عرصہ قید و بند میں گذرا، پھر تین سال اور قلعہ نائی میں محبوس رہا۔

یوں تو مسعود کی اسیری کا ہر ہر سانس صدائے دردناک ہے لیکن اس قلعہ میں اس کے نالے کچھ زیادہ ہی اونچے سنائی دیتے ہیں ؎

نالم بدل چو نائی من اندر حصار نائی　　پستی گرفت ہمتِ من زیں بلند جائی
آرد ہوائے نائی مرا نالہ ہائے زار　　جز نالہ ہائے زار چہ آرد ہوائے نائی
گردوں بدرد و رنج مرا کشتہ بود اگر　　پیوند عمر من نشدی نظم جانفزائی

قلعہ کی بلندی اور مضبوطی کی طرف توجہ ہوتی ہے تو کہتا ہے :

نہ نہ زحصن نائی بفزود جاہِ من　　داند جہاں کہ مادرِ ملک است حصن نائی
من چوں ملوک سرز فلک برگذاشتہ　　زے زہرہ بردہ دست و بہ مہ نہادہ پائی

اس قلعہ میں ڈال کر گویا میرا مرتبہ بڑھا یا گیا ہے۔ کیونکہ بلند ترین مقام پر واقع ہونے کی وجہ سے دنیا اس قلعے کو "مادرِ ملک" کہتی ہے۔ اس وقت تاجداروں کے سر کی طرح میرا سر بھی آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ زہرہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور پاؤں میرا چاند کے اوپر ہے :

از دیدہ گاہ پاشم دُرہائے قیمتی　　واز طبع گہ خرامم در باغ دلکشائی
نظمے بکامم اندر چوں بادۂ لطیف　　خطی بدستم اندر چوں زلفِ دلربائی

اسیر نائی کا تخیل اسے باغ دلکشا میں لے جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اس کی آنکھوں سے آنسو گراں بہا موتی بن بن کر گرتے ہیں۔ شعر جو وہ کہتا ہے، بادۂ ناب ہے، اور نامہ جو اس کے ہاتھ میں ہے وہ زلفِ دلرُبا کی حیثیت رکھتا ہے۔ دفعتاً اسیری کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور وہ کہہ اُٹھتا ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امروز پست کرد مرا ہمت بلند — زنگارِ غم گرفت مرا تیغ عزم و رائے
از سنج تن تمام نیام نہاد پئے — و ز دردِ دل بلند نیارم کشید وائے
گردوں چہ خواہد از من بیچارۂ ضعیف — گیتی چہ خواہد از من درماندہ گدائے

آخر حالت اسیری سے ایک طرح کی مصالحت کرلیتا ہے۔ اور یہ کہہ کر دل کو تسلّی دیتا ہے:

اے تن جزع مکن کہ مجازی است ایں جہاں
وے دل غمیں مشو کہ سپنج است ایں سرائے

"دنیا مجازی ہے۔ یہاں آہ و زاری سے کیا حاصل ہوگا۔ زندگی فانی ہے، زندگی کا یہ المیہ کبھی آخر ختم ہو جائے گا۔"

رہائی

دس سال کی اسیری کے بعد عمید الملک ابو القاسم ندیم خاص نے سلطان کی خدمت میں سفارش کر کے مسعود کے لیے رہائی کا فرمان کرایا۔ زندان سے رخصت ہو کر وہ لاہور پہنچا، اور سپاس گذاری کا اظہار ایک قصیدے میں باشعارِ ذیل کیا:

جان تو دادی مرا بس از ایزد — اندریں حبس و بند باز پسیں!
بخدائی کہ صنع و حکمتِ او — ماند از گردش شہور و سنیں
کہ بباقی عمر یک لحظہ — رُو نتابم ز خدمتت پس ازیں
سازم از جُود تو ضیاع و عقار — گیرم از مدح تو رفیق و قریں
فخرم آں بس بود کہ ہر روزے — بر بساطت نہم بعجز جبیں

آزادی کی اس مختصر سی مدت میں مسعود نے اپنی جاگیر کی طرف توجہ دی اور بادشاہ، نائب السلطنت اور امراء و وزراء کے قصیدے کہے۔ مسعود کی رہائی بدخواہوں کو ناگوار گزری، اور مخالف عناصر پھر بروئے کار آئے۔ مسعود کی یہ رہائی قدرت کو منظور نہ تھی۔ دوبارہ اسیری کا سبب یہ بنا کہ سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد جب مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ تا ۵۰۸ھ) نے غزنی کی حکومت سنبھالی تو اپنے بیٹے امیر عضد الدولہ شیرزاد کو ہند میں نائب السلطنت مقرر کیا اور امیر نظام الدین ابو نصر پارسی کو سپہ سالاری کا منصب سونپا۔ ابو نصر سپاہی ہونے کے ساتھ [illegible] علم دوست بھی تھا۔ مسعود کے ساتھ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے گہرے مراسم تھے۔ شیرزاد نے جب جالندھر فتح کیا تو ابونصر کی سفارش پر مسعود سعد کو جالندھر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کرم گستری کا اظہار اس نے اشعار ذیل میں کیا ہے:

سوئی مولد کشید ہوش مرا　　بوئے دختر و ہوائے پسر
چوں بہندوستان شدم ساکن　　بر ضیاع و عقار پیر پدر
بندۂ بونصر برگماشت مرا　　بعمل ہمچو نائبان دگر

قلعہ مرنج کی اسیری

بدخواہ موقع کے منتظر تھے۔ اب انھوں نے سازش کا جال بچھا کر ابونصر پارسی کو ہدف بنایا۔ اور حکمران کو اس سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابونصر پر شاہی عتاب نازل ہوا تو مسعود کی تیرہ بختی کا پھر زمانہ آیا۔ اب کی دفعہ اسے قلعہ مرنج میں ڈالا گیا جو غزنی کے سلسلۂ کوہ کی بلند چوٹیوں کے مابین تنگ گھاٹیوں میں واقع ہے۔ مسعود نے گذشتہ اور حالیہ اسیری کے تیرھویں سال کسی بزرگ کے قصیدے میں یوں عرض حال کیا ہے:

ہفت سالم بکوفت سو و دہک　　پس ازانم سہ سال قلعہ نائی
بند بر پائے من چو مار دوسر　　من بر او مانده، ہمچو مار افسا
در مرنج ام کنوں سہ سال بود　　کہ بہ بندم دریں چو دوزخ جا
ایں سرایم عذاب بودہ بود　　وائے زان ہول روزِ محشر وائے

یعنی سات اور دہک کے قلعوں میں تباہ حالی میں گزرے۔ تین سال قلعہ نائی میں بدنصیبی کے دن کٹے۔ میرے پاؤں کی بیڑی مار دوسر کی طرح ہے اور میں مار افسا کی مانند۔ اب تین سال سے سیاہ بختی مجھے زنداں میں لے آئی ہے، جو میرے لیے سراپا جہنم ہے۔ جب دنیا میں اتنا عذاب ہو سکتا ہے تو روزِ محشر کا عذاب کیسا ہوگا۔

مرنج میں مسعود آٹھ سال سے زاید عرصہ محبوس رہا۔ اس اسیری کے دوران اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بدخواہوں میں ابوالفرج بن نصر رستم بھی تھا جس کی مسعود نے متعدد قصیدوں میں مدح سرائی کی تھی۔ اسیری کے انیسویں سال اس دوست نما دشمن کے خلاف نہایت تند و تیز لہجے میں کبیدگی کا اظہار کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوالفرج شرم نامدت کہ بجہد / بچنیں حبس و بند م افگندی
تا من اکنوں ز غم ہمی گریم / تو بہ شادی ز دور می خندی !
شد فراموش کنہ برائے تو باز / من چہ کردم ز نیک پیوندی
من ترا ہیچ باک نامد از انک / نوزدہ سال بودہ ام بندی
زاں خداوند من کہ از ہمہ نوع / داشتت بر تو بسی خداوندی
گشتہ او را یقین کہ تو شدہ ای / با ہمہ دشمنانش سوگندی
و آنچہ کردی تو اندریں معنے / نکند ساحر دماوندی

آخر ۵۰۰ ہجری میں ثقۃ الملک طاہر علی مشکان کی سفارش سے، جو سلطان مسعود کا وزیر تھا، مسعود کو قید و بند سے رہائی نصیب ہوئی۔

ایک حساس شاعر کی اسیری، جو محض حاسدوں کی بدگوئی اور بہتان تراشی کے سبب واقع ہوئی، نہایت بے رحمانہ تھی۔ اس نے غزنی کی حکومت کے دامن پر ایسا دھبا لگایا جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ قلعہ مرنج سے رہائی کے بعد حکومت کی طرف سے مسعود کو سرکاری کتب خانہ قائم کرنے کی خدمت سونپی گئی۔ یہ کام کسی حد تک مسعود کے مزاج کے مطابق تھا، چنانچہ بڑی دل جمعی سے کیا۔ اشعارِ ذیل میں کتب خانہ کا ذکر آیا ہے:

بیارآید کنوں دار الکتب را / بتوفیق خدائے فرد جبار
ز ہر دار الکتب کاندر جہاں است / چناں سازد کہ بیش آید بہ مقدار
بشماوی برجہد ہر یا مدادی ! / بر دید خاک ہر حجرہ بہ خسار
بجاں آں را عمارت پیش گیرد / کہ چوں بندہ نباشد ہیچ معمار

آخر میں مسعود نے حکمرانوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ذیل کے اشعار اس کیفیت حال کا پتہ دیتے ہیں۔

چوں بدیدم بدیدہ تحقیق / کہ جہاں منزل فناست کنوں
راد مرداں نیک محضر را / روئی در برقع حیاست کنوں
آں زبانی کہ مدح شاہاں گفت / مادح حضرت خداست کنوں
مدتے مدحت شہاں کردم / نوبت خدمت دعاست کنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی گوشہ نشینی میں مسعود سعد نے ۵۱۵ ہجری میں دارِ محن کو خیر باد کہا۔

رہائی کے لیے قصیدہ گوئی

مسعود کی رہائی کی جد و جہد قصیدہ گوئی تک محدود رہی۔ بے گناہی اور داد خواہی کے لیے غزنی کے حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور بعض بزرگوں کے قصیدے کہتا رہا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود۔

سلطان مسعود بن سلطان ابراہیم ۴۹۲ھ تا ۵۰۸ھ

امیر عضد الدولہ شیر زاد بن سلطان مسعود ۵۰۸ تا ۵۰۹ھ

شہزادہ سیف الدولہ محمود، ثقۃ الملک طاہر وزیر مسعود، ابونصر پارسی سپہ سالار شیر زاد علی ناصر مصاحب سلطان ابراہیم، ابو القاسم ناصر مصاحب سلطان ابراہیم، ابو الفرج بن نصر رستم۔

مسعود اور خاقانی

مسعود سعد کی اسیری ہمیں مشہور شاعر خاقانی کی قید و بند کی یاد دلاتی ہے۔ دونوں اپنے اپنے زمانے کے عظیم شاعر تھے دونوں ہی حریفوں اور بدخواہوں کی سازش کا شکار ہوئے۔ ادھر خاقانی کا ممدوح منوچہر شروانشاہ ایک خود پسند اور ضدی حکمران تھا۔ جس نے تہمت تراشیوں کو درست سمجھا۔ ادھر مسعود کا ممدوح سلطان ابراہیم سخت گیر اور بدبین والیٔ سلطنت تھا۔ اس نے شقاوت قلبی سے کام لیا اور حقیقت حال جاننے کی طرف توجہ نہ دی۔ اسی طرح دونوں شاعروں کی زندگی کا بہترین حصہ زنداں کی نذر ہو گیا، جن کی تلخ زندگی کی یادگار ان کے حبسیات ہیں۔ حبسیات کے موضوع واردات قلب، کیفیتِ زندان، زمان و مکان کی سنگینی، حاسدوں کی بدخواہی، بے گناہی اور داد خواہی ہیں۔ لیکن اندازِ بیان دونوں کا جدا جدا ہے۔

خاقانی کے حبسیات میں وارداتِ قلب کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی اصطلاحات، مشکل تراکیب، غیر فطری تشبیہات نظر آتی ہیں، جن سے اظہار و بیان بوجھل اور بعض مقامات پہ ناقابلِ فہم ہو جاتا ہے۔ یہ شاید اس لیے ہوا کہ خاقانی مختلف علوم کا ماہر تھا، اور علوم سے تعلق رکھنے والی اصطلاحات خود بخود جزوِ کلام بنتی جاتی تھیں، یا پھر علمیت کے اظہار کے لیے اس نے دانستہ ایسا کیا۔ مسعود بھی اگرچہ مختلف علوم میں مہارت رکھتا تھا بعض علوم نجوم، تاریخ اور مذہبی علوم میں اسے کامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستگاہ تھی۔ فارسی اور عربی کے علاوہ ہندی زبان میں اسے مہارتِ تامہ حاصل تھی لیکن اس کے کلام میں نہ علوم کی اصطلاحیں ہیں نہ علم نمائی کا شوق کوئی الجھن پیدا کرنے کا سبب بنا ہے نہ ترکیبیں اور تشبیہیں ہی غیر قدرتی استعمال کی ہیں۔ طول کلام کے خیال سے مثالیں پیش کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔

حبسیات مسعود پر ایک نظر

مسعود سعد کو صفِ اول کے قصیدہ نگاروں میں حبسیات کی بدولت امتیاز حاصل ہوا ہے مسعود کو اسیری کی بے رحمانہ آزمائشوں سے سابقہ پڑا تو اس کے دل میں درد و کرب کی جاں گداز کیفیت پیدا ہوئی۔ نالہ ہائے جاں سوز نے شعروں کا قالب اختیار کیا۔ شعروں میں شدید تنہائی کی اذیت، زندان کی تاریکی و تنگی، زنجیروں کی جھنکار، اضطراب، ستارہ شماری، انسانی دنیا سے علیحدگی، وطن سے دوری، بچوں سے جدائی، دوستوں کا فراق، حسن کائنات سے محرومی، زمان و مکاں کی سنگینی حسرتِ گفتار، غرض ایک ایک کیفیت شعر بن کر ڈھلی ہے۔

اندازِ بیان میں سادگی اور پرکاری مسعود کی طبیعت کا خاصہ ہے، لیکن اس کے کلام میں درد اور تڑپ رقت و دلسوزی اسیری کی بدولت پیدا ہوئی۔ مسعود سعد کی اسیری ایک المیہ تو ضرور ہے لیکن اگر یہ المیہ واقع نہ ہوتا تو بھی ایک حادثہ ہوتا کیونکہ وہ سوز و سرور اور درد و کیف جو مسعود کی شاعری میں ہے وہ شاید اس کے بغیر پیدا نہ ہو سکتا اور دنیائے ادب زندان کی اس داخلی و ذاتی شاعری سے محروم رہ جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شعر کو شعر بنانے والی چیز دکھ، بے بسی، مجبوری، محکومی اور رقت و دلسوزی ہی ہے۔ سوز و گداز جہاں شعر و ادب کو جاویدانی بناتا ہے، وہاں پڑھنے والوں کے دل ہلتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت تھی جسے نظامی عروضی سمرقندی نے بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:

"وقتی باشد کہ من از اشعار او ہمی خوانم موئی بر اندام من برپائی می خیزد و جای آں بود کہ آب از چشم ریزد۔"

رشید الدین وطواط حدائق السحر میں لکھتا ہے:

"بیشتر اشعار مسعود کلام جامع است خاصہ آنچہ در حبس گفتہ و ہیچ شاعر از شعرائے عجم دریں شیوہ بگرد او نرسد نہ از حسن معانی نہ در الفاظ..."

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ہم مسعود سعد کے بعض حبسیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

زنداں، جہاں مسعود کو ڈالا گیا ہے، تنگ و تاریک ہے جہاں نہ روشنی داخل ہوتی ہے نہ ہوا کا گزر ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو پُراثر اور رقت خیز انداز میں بیان کیا ہے:

بازم اندر بلائے افگندی — کہ کشیدن نمی تواند تن
اندراں خانہ ام کہ از تنگی — بنجہد باد، ہیچ پیراہن
کہ ز تنگی اگر شوم دل تنگ — نتوانم درید پیراہن
نورِ مہتاب و آفتاب ہمی — بشب و روز بینم از روزن

زنداں میں تنہائی کی وجہ سے نالاں ہے۔ یہاں اس کا کوئی غمگسار نہیں، رات رات بھر آنسو بہانے سے کام ہے:

مونسِ من ہمہ ستارہ بود — قاصدِ من ہمہ صبا باشد
کس نیابم کہ غمگسار بود — کس نہ بینم کہ آشنا باشد
ہمہ شب از نہیب سیل سرشک — خوابم از دیدگاں جدا باشد
ہرچہ گویم ہمے بریں سر کوہ — پاسخ من ہماں صدا باشد

ذیل کے اشعار میں بے بسی، بےچارگی اور بڑھتے ہوئے رنج و اندوہ کا ذکر کیا ہے:

من آں غریبم و بیکس کہ تا بروز سپید — ستارگاں ز برائے من اضطراب کنند
ز صبر و خواب چہ بہرہ بود مرا کہ مرا! — بدرد و رنج دل و مغز خون و آب کنند
یک آفتم را ہر روز صد طریق نہند — یک اندوہ ام را شب ہزار باب کنند
ہمی گذارم ہر شب چناں کسی کو را — ز بہر روز بشب وعدہ عقاب کنند

جوانی کے شب و روز ایک ایک کر کے گذر رہے ہیں۔ زندگی کے ایام گھٹتے جا رہے ہیں۔ اور اندوہِ زندگانی بڑھتا جا رہا ہے، زندگی جو شبِ تار کی مانند ہے اس کے صبح ہونے کی کوئی امید نہیں۔

دریغا جوانی و آں روزگار — کہ از رنجِ پیری دل آگہ نبود
نشاطِ من از عیش کمتر نشد — امیدِ من از عمر کوتہ نبود
ز مستی مرا آں پدید آمدست — [illegible] نبود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبک خشک شد چشمۂ بخت من | مگر آب آں چشمہ را رہ نبود
سیاہی دراز و درازی دراز | کہ آں را امید سحرگہ نبود

مسعود کو اولاد بیٹی، بیٹا (سعادت) دو بہنوں اور خاندان کے دوسرے افراد کی یاد ستاتی ہے تو اس یاد کو بھی عرضداشت کا وسیلہ بناتا ہے:

دو دختر خورد دارم و پسرے | با دو خواہر بہ بوم ہندوستاں
دختر از اشک دیدہ نابینا | پسر از روزگار سرگرداں
سی چہل تن زخویش دا از پیوند | بستہ در راحت تو جان و رواں
ہمہ خواہان ملک و دولت تو | در سعادت ز ایزد سبحاں

لاہور کی جدائی شاق گذرتی ہے تو پکار اٹھتا ہے:

اے لاہور ویحک بی من چگونہ ای | بے آفتاب روشن، روشن چگونہ ای
اے آنکہ باغ طبع من آراستہ ترا | بے لالہ و بنفشہ و سوسن چگونہ ای
ناگاہ عزیز فرزند از تو جدا شدا ست | با درد او بنوحہ و شیون چگونہ ای
نفرستی ام پیام و نگوئی بحسن عہد | کاندر حصار بستہ چو بیژن چگونہ ای
باشد ترا ز دوست یکایک تہی کنار | با دشمن نہفتہ بدامن چگونہ ای

گویا محبت کرنے والا فرزند آغوشِ مادر سے جدا ہو کر زندان میں آپڑا ہے اور مادرِ وطن سے اس کی کیفیت پوچھ رہا ہے۔

شاعر کی صلاحیتیں ناموافق حالات میں نمایاں ہوتی ہیں۔ رنج اور مصیبت میں جہاں اس کا جسم نحیف و نزار ہو رہا ہے وہاں اس کا احساس قوی اور فکر رسا ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ اسیری کا ممنون بھی ہے۔

چرا ناسپاسی کنم زیں حصار | چو در من بیفزود فرہنگ فرہنگ
ہنرہائے طبع پدید ار شد | تنم را ازیں اندہِ آذرنگ
ز زخم و تراشیدن آید پدید | بلے گوہر تیغ و نقش خدنگ

زنداں کا شکر گذار کیوں نہ ہوں کہ اس کی وجہ سے میرے علم و دانش میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آتش رنج و اندوہ سے میرے ہنر اجاگر ہوتے ہیں کیوں [illegible] نقش اور جوہر کاٹنے اور تراشنے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کھلتے ہیں۔

مسعود کا علم ہیئت بھی زندان کا رہین منت ہے۔ اسے راتوں میں سوائے ستارہ شماری کے اور کوئی کام نہ تھا۔ اس لیے جیسا کہ اشعار سے واضح ہوتا ہے، اسے ہیئتِ نجوم پر بھی غور کرنے کا موقع ملا۔ اتفاق سے بہرامی نام ایک زندانی سے بھی صحبت رہی جو علم نجوم میں دسترس رکھتا تھا۔ اس سے مسعود کو علم نجوم کی تحصیل میں بڑی مدد ملی:

اگر نہ بودی بے چارہ پیر بہرامی! | چگونہ بودی حال من اندریں زندان
گہے صفت کندم حال ہائے گردش چرخ | گہے بیان دہدم راز ہائے چرخ کیاں
مرا ز صحبتِ او شد درست علمِ نجوم | حساب شد ہمہ ہیئت زمان و مکاں

لیکن تحصیل فرہنگ اور سیاس گذاری زنداں کب تک، صعوبتِ زندان جب حد سے بڑھ جاتے مدتِ حبس دراز سے دراز تر ہو جائے، امید مایوسی میں تبدیل ہو جائے، شباب کی جگہ بڑھاپا لے لے تو فکر و دانش کب تک ساتھ دے، آخر وہ بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ایسا وقت بھی آیا کہ جسم و روح کی اذیت کے ساتھ اسے فکر و دانش کا چراغ بھی بجھتا دکھائی دیا:

خطِ موہوم شد ز باریکی | اندریں حبس فکرت روشن
باز مر مر شد است اندیشہ | در دل ہمچو چشمۂ سوزن
بس شگفتی نباشد ار باشد | رنج و تیمار من ز دانش من
بحقیقت چراغ را بکشد | اگر از حد بروں رود روغن

حبسیات پر مجموعی نظر ڈالیں تو مسعود کچھ اس طرح واردات قلب سناتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ سنا ہے اس کے مونس ہیں اور رات رات بھر اس کی بے قراری پر مضطرب رہتے ہیں۔ بادِ صبا اس کی قاصد ہے سیل سرشک نے اس کی آنکھوں سے نیند اڑا دی ہے۔ آتشِ سوزاں بے چین رکھتی ہے۔ رات کی تاریکی جوں جوں کر کے ختم ہوتی ہے تو صبح کی روشنی نئی اذیت لیے سامنے آتی ہے۔ زندان میں اس قدر تنگی ہے کہ وہ اپنا دامن بھی چاک نہیں کر سکتا۔ سائے کی طرح ضعیف ہے اس لیے اب سائے سے بھی ڈرتا ہے فکرِ روشن ایک موہوم لکیر بن گئی ہے۔ قوتِ تخیل سنگِ مرمر کی طرح اور دل چشم سوزن ہو کر رہ گیا ہے۔ پاسبانوں کی آوازیں اسے اپنی زندگی کا احساس دلاتی ہیں، اگرچہ آوازیں دے کے وہ یہ یقین کرنا چاہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ مسعود زندان کی دیواروں کے اندر موجود تو ہے۔ کسی پرندے کی آواز سنائی دیتی ہے تو اس میں اسے خلوص نظر آتا ہے۔

قصائد

قصائد میں مسعود نے قدما کی پیروی کی ہے جو بادشاہوں اور با اقتدار لوگوں کی تعریف و توصیف میں زورِ کلام صرف کیا کرتے تھے اور ستائش ممدوح میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتے تھے۔ لیکن اگر تاریخ کا کوئی طالب علم انھیں پڑھے تو اسے واقعات کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔

مسعود کی انفرادیت یہ ہے کہ اس نے قصیدوں میں ممدوحین کی تعریف کرتے ہوئے بہت کم مبالغے سے کام لیا ہے۔ نیز حکمرانوں کے معرکوں کا جہاں ذکر آیا ہے وہاں واقعہ نگاری بھی کی ہے جس سے بعض اہم واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فتح آگرہ

سیف الدولہ محمود کو جب اس کے والد سلطان ابراہیم نے نائب السلطنت مقرر کر کے ہندوستان بھیجا تو آگرہ کے راجہ جے پال نے علم بغاوت بلند کیا۔ سیف الدولہ نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر کشی کی جے پال کو معلوم ہوا کہ غزنویوں کا لشکر آگرہ کی طرف بڑھا آ رہا ہے تو اس نے ایلچی بھیج کر اطاعت اختیار کرنے کی پیش کش کی:

پیام داد بخسرو کہ اے بزرگ ملک — گناہ کردم و کردم بدآن گناہ اقرار
بہ بندگیت مقر توام خداوندی — گذاشتیم ہمہ عصیاں تو جرم من بگذار
اگر تو عفو کنی بر دلم بہ بخشائی! — کنم زتنکہ بہ بالائے ایں حصار انبار

سیف الدولہ کو خیال تھا یہ قوم بہت بد عہد ہے۔ عہد کرتی ہے لیکن اس پر کبھی قائم نہیں رہتی۔ چنانچہ اس نے جے پال کی پیش کش مسترد کر دی:

جواب داد شہنشاہ سیف دولت و دیں — کہ آمدم بغزا من بدین بلاد و دیار
کنوں کہ یافتہ ام ایں حصارِ آگرہ را — ازیں حصار بر آرم بہ تیغ تیز دمار

آخر مسعود نے حملہ کا جوش و خروش بیان کیا ہے جو سیف الدولہ کی فتح پر منتج ہوتا ہے:

زغانیاں بحصار اندروں دو آمد بانگ — کہ ملک خسرو محمود باد برخوردار!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدایگانہ ہر وقت فتح خوشش باشد ولیک خوشتر باشد بروزگار بہار

حسامِ تیز تو شد ذو الفقار ہند غرب حصار آگرہ خیبر تو حیدر کرار

حسامِ تست اجل و ز اجل کہ جست امان سنان تست قضا در قضا کہ یافت قرار

اس قصیدے سے آگرہ کا محلِ وقوع، قوم ہنود کی بد عہدی، ہندوستانی معاشرے کی تصویر اور میدانِ کارزار کی جزئیات سامنے آتی ہیں۔

بلند ہمتی کی تلقین

مسعود کے قصائد میں بلند ہمتی، عجز نفس اور ستائش مردانگی ایسے مضامین بھی بکھرے نظر آتے ہیں ایسے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ہر کہ او را بلند مردی کرد تا بروز اجل نگردد پست

تا توانی مکش ز مردی دست کہ بہ سستی کسی ز مرگ نجست

از فراز آمدی سبک بہ نشیب رنج بینی کہ بر شوی بہ فراز

بیشتر کن عزیمتی چوں برق در زمانہ فگن چو رعد آواز

راست کن لفظ و استوار بگیر سرہ کن راہ پس دلیر بتاز

تا نیابی مرادِ خویش بکوش تا نہ سازد زمانہ با تو بساز

بر زمینِ فراخ دہ نا ورد بر ہوائے بلند کن پرواز

ایجاداتِ شعری

مسعود سعد نے ایک نئی صنف سخن پر طبع آزمائی کی اور اسے "شہر آشوب" کا نام دیا۔ اس کی نظم شہر آشوب میں عنبر فروش، عطار، تاجر، کاشتکار، بڑھئی، لوہار، نانبائی، باغبان، دیبا باف، زرگر قصاب، فصّاد، قلندر، قاضی، ساقی، کبوتر باز، فال گیر، پہلوان، جادوگر، رقاص، موسیقار اور نقاش کا ذکر مخصوص پیرائے میں آیا ہے جس سے اس وقت کے معاشرے کے خد و خال نمایاں ہوتے ہیں۔

ایران اور پاک و ہند میں "شہر آشوب" اس سے پہلے نہیں لکھا گیا تھا۔ اہلِ ایران نے مسعود سعد کی تقلید میں شہر آشوب لکھا اور اسے "شہر انگیز" نام دیا۔ شہر انگیز لکھنے والا پہلا ایرانی شاعر وقوعی تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسعود سعد نے ہندی "بارہ ماسے" کی طرز پر ایرانی مہینوں کو موضوع بنا کر قطعات لکھے ہیں۔ جن میں مہینوں کی خصوصیات اور ان مہینوں سے متعلق شاعر کے اپنے تاثرات بیان کیے گئے ہیں۔ اس صنف کو "ماہ ہائے فارس" یا دوازدہ ماہ" کا نام دیا ہے۔

اس طرح ہفتے کے ایرانی اور اسلامی دنوں کے ناموں پر بھی اشعار کہے ہیں، جو "روز ہائے فرس" (فارس) اور "روز ہائے ہفتہ" کے ناموں سے موسوم ہیں۔

دیوان فارسی

مسعود کا فارسی دیوان مشہور صوفی شاعر سنائی نے مرتب کیا تھا۔ یہ دیوان پہلی بار پاک و ہند میں ۱۲۹۴ ہجری میں طبع ہوا، چند سال پہلے رشید یاسمی نے مسعود کے متعدد اور قصائد شامل کر کے ترمیم و تصحیح کے بعد اسے ایران میں شائع کرایا ہے۔ دیوان اٹھارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، اس میں قصائد کے علاوہ متعدد حبسیے، بیس غزلیں، دو سو دس رباعیاں، چند مرثیے، ایک شہر آشوب، ماہ ہائے فارسی روز ہائے فرس اور روز ہائے ہفتہ شامل ہیں۔

دیوان ہندی۔ عوفی لکھتے ہیں کہ[1] مسعود سعد نے ہندی اور عربی میں بھی دیوان تصنیف کیے تھے۔ مؤلف خزانہ عامرہ[2] نے بھی فارسی کے علاوہ ہندی اور عربی دیوانوں کا ذکر کیا ہے۔

ہندی زبان میں مسعود سعد کا صاحب دیوان ہونا ہر چند محل نظر ہے، لیکن جس شاعر کا وطن لاہور تھا اور ہندی ماحول میں جس نے پرورش پائی تھی، اس کا ملکی زبان یعنی ہندی میں مہارت حاصل کرنا بعید قیاس نہیں۔ البتہ یہ دیوان اب ناپید ہے۔

دیوانِ عربی

عربی دیوان جس کا ذکر لباب الالباب اور خزانہ عامرہ میں آیا ہے۔ انڈیا آفس[3] لائبریری میں موجود ہے۔ اس دیوان کے بعض قطعات رشید الدین وطواط نے اپنی کتاب حدائق السحر میں نقل کیے ہیں۔

ان تصنیفات کے علاوہ محمد عوض نے مسعود کی ایک اور کتاب "اختیارات شاہنامہ" کا بھی ذکر کیا ہے۔

---

[1] لباب الالباب، مرتبہ سعید نفیسی، ص ۴۲۳، [2] خزانہ عامرہ، ص ۱۴۔

[3] کیٹیلاگ انڈیا آفس لائبریری [illegible]

© rasailojaraid.com